مَسرت خان زاہدی

اُردو میں سائنسی اُصولِ تحقیق اور ڈاکٹر عطش دُرّانی

ڈاکٹر عطش درّانی کی شہرت بنیادی طور پر ایک مُحقّق کی ہے، جس کے ساتھ تنقید و تدوین اور تحقیق کے اُصولی اور عملی مظاہر بھی منسلک ہیں۔ اُن کے متعدد مقالات، کتابیں، مباحثے اور مذاکرے ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے کاموں کا مبسوط اور مفصّل احاطہ کرنا تو سرِ دست بہت مشکل ہے، تاہم مختصر طور پر اس میدان میں ہم ان کی خدمات کو ماہرِ اُصولِ تحقیق و تدوین، عملی مُحقّق، نظریۂ ادب کے موید، اسلوبیات و محضریات کے طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

اُصولِ تحقیق اور تدوین میں ڈاکٹر عطش کا مقام اس وقت بہت اہم حیثیت اختیار کر جاتا ہے جب ہم تحقیق میں ڈاکٹر گیان چند کی کتاب ''تحقیق کا فن'' اور تدوین میں ڈاکٹر خلیق انجم کی ''متنی تحقیق'' کو اساسی قرار دیں۔ اس صورت میں اہلِ فکر و نظر ڈاکٹر عطش کے اُصولوں کو ان سے اگلا مرتبہ دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگر ان سے پہلے اُصولِ تحقیق کے دو مکاتبِ فکر اُن ہی کی زبان میں ''تالیفی'' اور ''انتقادی'' تسلیم کر لیں اور تیسرا مکتبِ فکر جدید اُصولوں پر مبنی قرار دیں تو ''بلاشبہ انھیں ہم اُردو میں جدید اُصولِ تحقیق کا بانی قرار دے سکتے ہیں۔ اُصولِ تحقیق کے اس تیسرے دبستان کا آغاز انھی کے کاموں سے ہو رہا ہے جو یقیناً بہت جلد ایک بڑی روش کی صورت اختیار کر جائے گا''[۱]۔ اُصولِ تحقیق پر ان کے مقالات و مضامین اور کتاب ''جدید رسمیاتِ تحقیق'' (۲۰۰۵ء) میں واضح نظر آتے ہیں۔ ان کا ایک مقالہ کُلّی تنظیم کے حوالے سے ''تحقیق فن ہے یا تکنیک''، دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر ابنِ کنول نے اپنی کتاب ''تحقیق و تدوین'' (۲۰۰۶ء) میں شامل کیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر معین الدین عقیل جیسے تحقیق کی تاریخ لکھنے والوں نے ڈاکٹر عطش درانی کے تذکرے کو اہمیت دی ہے۔

وہ اُصولِ تحقیق کے جن تین دبستانوں کا ذکر کرتے ہیں، اُن میں تیسرے دبستان یا جدید اُصولِ تحقیق کے حوالے سے اُن کے نزدیک اس کا احساس ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان اور ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تحریروں کے بعد مقتدرہ قومی زبان کے سیمینار (۲۵ تا ۲۷ مارچ ۱۹۸۶ء) میں پہلی بار سامنے آیا لیکن اس میں اُصولی مباحث نہیں ملتے[۲]۔ دوسرا ایسا سیمینار باڑہ گلی (۱۰ تا ۱۲ اگست ۲۰۰۲ء) میں پشاور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کا ہے جس میں پہلی بار جدید تحقیقی اُصولوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس میں پروفیسر نسرین زہرا کا مقالہ ''فرضیاتِ اردو تحقیق''، ڈاکٹر عطش دُرّانی کا مقالہ ''اردو میں تحقیقی ڈیزائن''، ڈاکٹر معین الدین عقیل کا مقالہ ''جدید رسمیاتِ تحقیق'' اور ایس ایم شاہد کا مقالہ ''ادبی تحقیق کی معروضیت'' جدید تحقیقی اُصولوں کی بنیادیں واضح کرتے ہیں[۳]۔ باڑہ گلی کے سیمینار میں پڑھے گئے مقالہ جات ''اخبارِ اردو'' اکتوبر ۲۰۰۲ء میں اور بعد ازاں ڈاکٹر عطش کے مجموعۂ ''اردو تحقیق'' (منتخب مقالات ۲۰۰۳ء) میں شائع ہوئے۔

اُصولِ تحقیق کے حوالے سے اُردو میں تحقیق کی موجودہ صورتِ حال پر تفصیلی تجزیہ، انھوں نے اپنے مقالے ''جامعاتی سطح پر اردو تحقیق کی تدریسی صورتِ حال''، ''تعلیمی زاویے'' (اپریل ۲۰۰۲ء) میں کیا جو ''اخبارِ اردو'' میں بھی اگست ۲۰۰۲ء کو شائع ہوا۔

اُصولِ تحقیق کے حوالے سے ڈاکٹر عطش لکھتے ہیں کہ:

> ''مسئلہ یہ ہے کہ اُصولِ تحقیق علم التعلیم کا میدان ہے اور شعبۂ اردو میں علم التعلیم تو کُجا تدریسِ اُردو کو بھی بار حاصل نہیں۔ اب اس میدان میں غور و فکر ہو تو کیسے۔ کوئی ایسا نابغہ جو اُردو اور علم التعلیم پر مساوی دسترس کا حامل ہو تو تدریسیاتِ اُردو اور اُصولِ تحقیق جیسے موضوعات سے انصاف کرے وگرنہ تحقیق کا فن جیسی خلافِ اُصول تحقیقی کتابیں شائع ہو کر اُردو کے طلبہ کو حقیقی اور عملی تحقیق سے دور اور برگشتہ کرتی رہیں گی''۔[۴]

آپ اُردو کے لیے کن تحقیقی اُصولوں کی بات کرتے ہیں؟ اس کی وضاحت نورینہ تحریم بابر اپنے مقالہ ''اردو تحقیق: روایت اور امکانات'' میں کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک عملاً ''ڈاکٹر عطش دُرّانی'' نے اردو اصطلاحات سازی کے موضوع پر جدید اُصولِ تحقیق کی روشنی میں مقالہ لکھ کر اورینٹل کالج لاہور میں اس جدید اندازِ تحقیق کو متعارف کرایا ہے۔ جدید تحقیقی ڈیزائن میں تحقیقی مقالے کی یہ پہلی مثال ہے''۔[۵]

باڑہ گلی سیمینار میں انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ:

''اردو تحقیق کو اپنی اُصولی سمت مقرر کر لینی چاہیے تا کہ اردو تحقیق کو بھی ہندی تحقیق کی طرح عالمی سطح پر قبول کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں سائنسی منہاج کو استعمال کیا جانا چاہیے ..... اب اُصولِ تحقیق ایک ڈسپلن بن چکا ہے۔ اب دنیا کسی تحقیق کو صرف اس وقت تحقیق مانتی ہے جب وہ کسی تحقیقی طریقے اور ڈیزائن کے مطابق معروضی ہو.....''۔۶

باڑہ گلی سیمینار کے بعد آپ نے ۲۰۰۴ء میں علاّمہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے لیے اُصولِ تحقیق پر ایم فل کے لیے مطالعاتی رہنما مرتب کیا اور پورا کورس تحریر کیا اور اس کی بناء پر اگلے سال ان کی کتاب ''جدید رسمیاتِ تحقیق'' (۲۰۰۵ء) اُردو سائنس بورڈ کی طرف سے شائع ہوئی جو ''اردو میں اُصولِ تحقیق کی پہلی باضابطہ کتاب ٹھہرتی ہے''۔۷

ڈاکٹر عطش نے اُصولِ تحقیق میں اُردو زبان و ادب کے لیے جو سمتیں مقرر کی ہیں، ان کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔۸

۱۔ تحقیق فن نہیں تکنیک ہے۔ یہ نتیجہ نہیں طریقِ کار ہے جو باضابطہ ہے اور حقائق کی بازیافت ہے۔ بازیافت اور تقابل کا نام ہے۔ تعقّلی اور تجربی طریقہ ہے۔

۲۔ تحقیق صداقت کی معروضی تلاش ہے۔

۳۔ یہ ایک کُل ذہنی سرگرمی اور منظّم، معروضی، مدلّل عمل ہے۔

۴۔ تحقیق محض سابقہ معلومات کو یک جا کر کے صرف نئی ترتیب دینے کا نام نہیں اور صرف اپنی پسند ناپسند کو لازماً ثابت کرنے کو نہیں کہتے۔

۵۔ جدید تحقیق میں دو اُمور تصورات اور متغیرات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

۶۔ صداقت فلسفہ اثباتیت ہی نہیں، مابعد اثباتیت کے تحت بھی وضع ہو سکتا ہے۔

۸۔ جدید تحقیق تکنیکی طور پر رسمیات کی پابند ہے یعنی: مسئلہ اور طریق کار۔

۹۔ تحقیق کے خواص اس کا جواز، وثوق اور صحت ہیں اور اس کی ساکھ قابلِ یقین، قابلِ قبول، ممکن، حقیقی اور مسلمہ ہونا ہے۔

۱۰۔ تحقیق کے آٹھ مرحلے ہیں۔ (۱) ضرورت اور مسئلہ (۲) سابقہ تحقیقات کا نچوڑ (۳) تحقیقی ڈیزائن یا طریق کار (۴) مسلمات یا مفروضے اور تحقیقی سوالات یا فرضیے کی تشکیل (۵) کوائف/اُمور کی جمع آوری (۶) پڑتال و تجزیہ (۷) حاصلات، نتائج، سفارشات اور (۸) مقالے کی ترتیب۔

۱۱۔ تحقیقی ڈیزائن کی تین بنیادی خصوصیات ہیں:

''معروضی، مُدلّل اور واضح یعنی تحقیق سائنسی اور غیر پوشیدہ ہوتی ہے''۔

نورینہ تحریم بابر نے اگر چہ یہ بھی لکھا تھا کہ ''اردو میں ایک جامع اور مربوط اُصولِ تحقیق کی ترتیب ابھی باقی ہے'' لیکن بعد ازاں ڈاکٹر عطش نے یہ کتاب لکھ کر یہ کمی بھی پوری کر دی۔ یہی بات ڈاکٹر سلطانہ بخش نے بھی کہی تھی کہ ''اس موضوع پر اردو میں اب تک کوئی ایسی مبسوط کتاب موجود نہیں جو نوجوان محققوں کی رہنمائی کرے''۹۔ اس کتاب کی اشاعت سے قبل اور مابعد آپ کے کئی مقالات اُصولِ تحقیق کے حوالے سے شایع ہوتے رہے ہیں جو کم وبیش مذکورہ نکات کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔ خود وہ جدید اُصولِ تحقیق میں اوّلیت ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی کتاب ''ادبی تحقیق کے اُصول'' کو دیتے ہیں، جس میں فرضیے (Hypothesis) پر بحث کی گئی ہے۱۰۔ لیکن یہ کتاب زیادہ واضح نہیں اور غالباً محض کھلے ترجمے پر منحصر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں بھی ''تدوینِ متن'' کو اہم ابواب دیے ہیں مثنی تنقید ''تحقیق کا فن'' کی کئی باتوں پر صاد کیا ہے لیکن ان کے ماخذوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے چند نئے اور جدید ترین ماخذوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے اُردو میں ''اُصولِ تحقیق'' سے متعلق اس وقت تک تمام ۵۳ متداوّل کتب کا احاطہ کیا ہے۔

ڈاکٹر ظہور اعوان (سابق پروفیسر شعبۂ اردو، پشاور یونیورسٹی) کے ایک خط کے جواب میں ڈاکٹر عطش نے اُردو تحقیق کی زبوں حالی اور پس ماندگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''اس طرح سے نہ تو اُردو کی کوئی خدمت ہوتی ہے کہ مفت میں ڈگریاں بانٹی جائیں تو اُردو کو فروغ حاصل ہوگا۔ نہیں صاحب یوں اُردو کی ترقی رُک جائے گی''۔۱۱

جہاں تک اُردو اور پاکستانی زبانوں میں تحقیق کی روایت کا تعلق ہے۔ ڈاکٹر عطش کے نزدیک:

> ''یہ روایت مستشرقین کی پیدا کردہ ہے۔ ان کی پیروی میں ہمارے محققین کے ہاں عربی، فارسی، اُردو، پنجابی، سندھی وغیرہ میں تحقیقی کاموں کے ایک مخصوص انداز نے جنم لیا جسے ہم قدیم تحقیقی روش کا نام دے سکتے ہیں''۔۱۲

وہ اردو تحقیق میں چھے افراد کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''پہلے درجے پر حافظ محمود شیرانی ہی فائز نظر آتے ہیں اور دوسرا مقام قاضی عبدالودود اور مولوی محمد شفیع کا ہے۔ تیسرے مقام پر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان، ڈاکٹر خلیق انجم اور ڈاکٹر گیان چند کے نام آتے ہیں''۔۱۳

ڈاکٹر صاحب جدید اُصولِ تحقیق کے پس منظر میں تحقیقی اُصولوں کے جن تین دبستانوں کی تقسیم پیش کرتے ہیں، وہ کچھ اس طرح سے ہے:

''پہلا دبستان سرسیّد سے شروع ہوتا ہے جسے ہم تالیفی دبستان کہہ سکتے ہیں۔ مولانا شبلی، مولوی عبدالحق، ڈاکٹر وحید قریشی، مسعود حسن خان سے ڈاکٹر گیان چند تک اسی کی پیروی کی جاتی رہی ہے۔ یہ تالیفی دبستان روایات کو جوں کا توں قبول کرتا اور حقائق کی محض بازیافت کرنے کے لیے تلاش اور تبصرے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ دوسرا دبستان تشریح وتوضیح کرتا ہے اور اُصولِ تنقید کو استعمال کرتا ہے۔ یہ ''انتقادی دبستان'' کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر لائٹز، حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، قاضی عبدالودود، خلیل الرحمان، داؤدی، مشفق خواجہ، رشید حسن خان اسی مکتبِ فکر کے پیرو ہیں۔ تیسرا مکتبِ فکر فرضیوں کی جانچ پرکھ کو تجزیوں اور معیاری ومقداری تحقیق کے لیے تکنیک کو بنیاد بناتا ہے اور تحقیقی بصیرت کا اظہار کرتا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اس کا ذکر کیا ہے'' ۔۱۴

اردو میں تحقیق کے دبستانوں کی تقسیم ڈاکٹر وحید قریشی نے ____ دکن، اعظم گڑھ، لاہور ____ کی تھی ۱۵ لیکن وہ تقسیم اُصولِ تحقیق کے حوالے سے نہیں تھی۔

ڈاکٹر عطش نے اگرچہ اس تیسرے مکتبِ فکر کے لیے کئی نام درج کیے ہیں مگر حقیقتاً اُن سے پہلے کسی نے باقاعدہ تحقیقی ڈیزائن کو استعمال نہیں کیا۔ اس کا اعتراف کئی ماہرین نے کیا ہے۔ جس کا تفصیلی جائزہ اگلے کسی مضمون میں لیا جائے گا۔

اُصولِ تحقیق کون لوگ وضع کریں، اس سلسلے میں بھی آپ کے خیالات متعین ہیں۔ ان کے نزدیک ''یہ کام پختہ کار محققین یا اُصولیین کا ہے جو اپنے تحقیقی کاموں ہی میں نہ صرف مستند شہرت رکھتے ہوں بلکہ اُصولِ تحقیق کو بھی بار بار آزما چکے ہوں'' ۱۶۔ اس صورت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عطش لکھتے ہیں:

''پختہ کار محققین کو فرصت نہیں کہ اپنے تجربات کو مفصل طور پر تحریر کر سکیں۔ خلیل الرحمٰن داؤدی نے ہماری تحریک پر کچھ لکھا مگر ابھی شایع نہیں ہو سکا۔ مشفق خواجہ (مرحوم) خاموش رہے۔ رشید حسن خان کسی حد تک ایک آدھ کتاب ادبی تحقیق کے نام سے دے چکے ہیں۔ جامعات کے اکثر اساتذہ خود پختہ کار محقق نہیں۔ برصغیر کی جامعات میں اُردو میں جدید تحقیق کا تصور نہ تو موجود ہے اور نہ اساتذہ اس طرف توجہ دیتے ہیں'' ۔۱۷

تحقیق کے میدان کو ڈاکٹر صاحب فن، پیشہ اور لگن قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ایک دل چسپ مشغلہ ہے۔ ایک لذتِ مسلسل ہے۱۷۔ وہ اسی ''تخلیقِ علم'' کی خاطر اُصولِ تحقیق کو بہتر کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تحقیق کار زندگی بھر کے لیے اس کام کو اپنا مطمحِ نظر بنالے۔ لکھتے ہیں:

> ''اگر تحقیق کی آبلہ پائی کو زندگی کا اُوڑھنا بچھونا نہیں بنانا تو پھر بہتر یہی ہے کہ سرے سے اس خارزار میں قدم ہی نہ رکھے جائیں (رکھا جائے)۔ جدید تحقیق کے اپنے رموز ہیں اور یہ اپنا باطن صرف انھی پر آشکار کرتی ہے جو عمرِ نوح، صبرِ ایوب اور خزانہ قارون لے کر مسلسل محنت اور لگن کے ساتھ اس میں منہمک رہیں اور جو ہمیشہ اس سوچ کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں کہ وہ بچہ ابھی پیدا نہیں ہوا جو سب سے زیادہ خوب صورت ہے''۔۱۸

ڈاکٹر عطش کی تحقیقی رسمیات کے دو بنیادی عناصر ہیں۔ (۱) مسئلہ (۲) فرضیہ۔ دیگر امور مفروضہ، تحدید، ڈیزائن وغیرہ بھی قابلِ توجہ ہیں لیکن زیادہ وضاحت انھی دو عناصر کے لیے درکار ہے۔ ''مسئلہ'' ہمیشہ ضرورت یا تشکیک سے پیدا ہوتا ہے جب ہمیں کسی سوال کا جواب معلوم نہیں ہوتا تو ہم اسے مسئلہ کہتے ہیں۔ اس مسئلے کا ممکنہ حل ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ''فرضیہ (Hypothesis) ہے''۱۹۔ علاوہ ازیں ''مسئلہ'' اور ''تحقیقی مسئلہ'' بھی ڈاکٹر صاحب کے نزدیک دو الگ الگ باتیں ہیں۔ لکھتے ہیں: ''جہاں کوئی غور طلب اور حل طلب صورتِ حال نظر آئے ہم اسے مسئلہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہر حل طلب صورتِ حال کو تحقیقی مسئلہ نہیں کہا جاسکتا''۔۲۰ لیکن پھر یہ سوال کہ کیا ادبی موضوعات تحقیق کا مسئلہ بن سکتے ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کئی نکات اُٹھائے ہیں۔ لیکن ان میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ادبی مسئلہ خالص تنقیدی نہ ہو اور یہ کہ ادبی مؤرخ کیا چاہتا ہے اور جہاں تک فرضیے کا سوال ہے، وہ اسے مفروضے (Assumption) سے الگ محض تحقیقی سوال قرار دیتے ہیں۔ مفروضے ان کے نزدیک ایسے بیانات یا مسلّمات ہیں جنھیں تسلیم کر کے تحقیق کی بنیادیں ان پر استوار کی جاتی ہیں..... ہم انھیں ثابت نہیں کرتے بلکہ ان کی بنا پر ذہنی طور پر آگے بڑھتے ہیں..... ان کے نزدیک کوئی بھی تحقیق پہلے کسی نہ کسی مفروضے کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ فرضیے کا بنیادی مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ ''ایسا امرِ فرض جسے ابھی ثابت کرنا ہے۔ فرضیہ مسئلے کا موزوں امکانی حل ہوتا ہے یا یوں کہیے کہ مخصوص متغیرات کے باہمی تعلق کا نام ہے۔ اس کے خصائص اندازے پر مبنی ہوتے ہیں حتیٰ کہ حقائق کی روشنی میں یہ ثابت یا رد

ہو جائے''۲۱۔ ادبیات کے شعبے میں فرضیے قائم نہیں کیے گئے۔ بعض کے نزدیک تو فرضیہ قائم ہی نہیں ہوسکتا۔ ڈاکٹر صاحب اس پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب بھی دو اُمور کے درمیان کوئی منطقی تعلق ہوگا تو اس سے فرضیہ برآمد ہوگا۔ پھر ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ادبی تحقیق میں فرضیہ قائم نہیں ہوسکتا۔ جب دعویٰ (Thesis) ہے تو پھر بردعویٰ یا فرضیہ (Hypothesis) بھی ہے۔ جو کچھ دعوے میں ثابت ہوا وہی بردعویٰ یا فریضہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم نے فرضیہ یا تحقیقی جواب تحقیق کرنے سے پہلے تلاش کرلیا تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر گیان چند نے باب تو قائم نہیں کیا لیکن وہ بھی یہ بتاتے ہیں کہ خود انھوں نے فرضیہ (جسے وہ مفروضہ کہتے ہیں) اپنی کتاب اُردو مثنوی شمالی ہند میں قائم کیا ہے''۔۲۲

وہ اردو کو تجرباتی تحقیق سے روشناس کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ صحافت، تعلیم، اقبالیات وغیرہ سے مثالیں دیتے ہیں۔ ان کی رائے میں کوئی بھی دعویٰ یا نقطۂ نظر (مثلاً: ''مؤثریت'') صرف تجرباتی تحقیق ہی سے ثابت ہوسکتا ہے ورنہ محض ایک رائے ہی رہے گا۔ قبولیت کے ''پیمانوں'' پر جانچ کر کوئی فیصلہ کیا جائے گا کہ قبولیت کہاں تک واقع ہوئی ۲۳۔

ڈاکٹر عطش کے مجوزہ تحقیقی اُصول اُردو کی روایتی تحقیق میں ایک نیا موڑ ہیں۔ وقت ہی یہ واضح کرے گا کہ اُردو زبان پر کام کرتے ہوئے یہ اُصول کہاں تک قابلِ قبول رہے۔ علاوہ ازیں تحقیق اور تنقید ڈاکٹر صاحب کے نزدیک دو الگ الگ میدان ہیں، تاہم تحقیق میں تنقید اور تنقید میں تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کے نزدیک ''جدید تحقیق اپنے طریقِ کار، تکنیک اور اُصولوں کے لحاظ سے ایک جدا ڈسپلن، میدان یا علم بن چکا ہے، چناں چہ ایسے مقالے جو تنقیدی بصیرت تو رکھتے ہوں لیکن تحقیقی تکنیک پر تیار نہ کیے گئے ہوں، تحقیقی مقالے نہیں کہلا سکتے''۔ اُردو میں مسودات کی تدوین کو ڈاکٹر صاحب مشکل ہی سے تحقیق مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

''انگریزی میں اسے Textual Criticism کہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں تحقیق بھی انجام دی جاتی ہے لیکن کسی متن کی تدوین تحقیق کے ڈسپلن کا حصہ نہیں ٹھہرتی، اس لیے اسے کامل تحقیق قرار دینا مشکل ہوگا، کیوں کہ یہ کام کسی مستقل تحقیقی ڈیزائن کی بنا پر انجام نہیں پاتا''۔۲۴

رشید حسن خان کے خیال میں تدوین تحقیق سے جدا فن ہے، وہ ڈاکٹر عطش کے نقطۂ نظر کے قریب ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند کے نزدیک یہ تحقیق ہی کی ایک صورت ہے۔ جب کہ ڈاکٹر عطش کہتے ہیں کہ اگرچہ باضابطہ تحقیق نہیں مگر عموماً ہر بڑا محقق تدوینِ متن کے بھی کچھ کام کرتا ہے''۔۲۵

ڈاکٹر عطش دُرّانی کے نزدیک متنی تدوین بھی تحقیق کا مرتبہ حاصل کر سکتی ہے اگر اسے سائنسی اُصولوں پر استوار کیا جائے اس کے لیے وہ اعلیٰ متنی تنقید اور نظریہ اطلاعات کی بات کرتے ہیں۔ اس کی تفاصیل ان کے مقالوں میں دیکھی جا سکتی ہیں ۲۶۔

الغرض مذکورہ جائزے کا حاصل بحث یہی ہے کہ ڈاکٹر عطش درانی اُردو کے لیے جدید ماہرِ اصطلاحات اور اُصولی اسکالر کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اُردو کی تاریخ اُنھیں اس حوالے سے بھی یاد رکھے گی۔

حوالے:

۱۔ مہناز اختر: ''اُصولِ تحقیق کا تیسرا دبستان'' مجلّہ الزبیر، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، شمارہ نمبر ۴، ۲۰۰۵ء، ص ۲۶

۲۔ ڈاکٹر عطش دُرّانی، جدید رسمیاتِ تحقیق، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۱

۳۔ مہناز اختر، محولا بالا، ص ۲۴

۴۔ ڈاکٹر عطش درانی: ''جامعاتی سطح پر اُردو تحقیق کی تدریسی صورتِ حال''، تعلیمی زاویے، لاہور، اپریل ۲۰۰۲ء، ص ۳۴۔

۵۔ نورینہ تحریم بابر، اُردو تحقیق: روایت اور امکانات، ''اخبارِ اُردو''، اسلام آباد، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص ۹۲۔

۶۔ عامر سہیل: ''ادبی تحقیق، مسائل اور رفتار''، ماہ نامہ ''اخبارِ اردو''، ستمبر ۲۰۰۲ء، ص ۱۴۔

۷۔ مہناز اختر: محولہ بالا، ص ۲۵۔

۸۔ ڈاکٹر عطش درانی، اردو اصطلاحات سازی، خلاصہ ابتدائی دو ابواب۔

۹۔ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، اُردو میں اُصولِ تحقیق (جلد اوّل)، ورڈ ویژن پبلشرز، اسلام آباد، طبع چہارم، ۲۰۰۱ء، ص ۲۴۔

۱۰۔ اُردو اصطلاحات سازی، ص ۱۸۔

۱۱۔ ایک ذاتی مراسلہ

۱۲۔ جدید رسمیاتِ تحقیق، ص: ۱۳

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۴

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۹

۱۵۔ ڈاکٹر وحید قریشی، تحقیق کے تقاضے مشمولہ اردو میں اُصولِ تحقیق (جلد اوّل)، ص ۲۸۔

۱۶۔ جدید رسمیاتِ تحقیق، ص:۲۱

۱۷۔ ایضاً، ص:۲۱

۱۸۔ ایضاً، ص:۲۷

۱۹۔ ایضاً، ص:۴۵۴

۲۰۔ ایضاً، ص:۶۲

۲۱۔ ایضاً، ص:۱۱۲

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۱۷، ۱۱۸

۲۳۔ ایضاً، ص:۱۲

۲۴۔ ایضاً، ص:۳۵۸

۲۵۔ ایضاً، ص:۲۸۹

۲۶۔ دیکھیں: اعلیٰ متنی تنقید اور جدید تدوینِ متن، ''دریافت''، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۷، ۲۰۰۸ء

نیز: اعلیٰ متنی تنقید اور نظریۂ اطلاعات، ''تحقیق''، جام شورو، شمارہ نمبر ۱۶، ۲۰۰۸ء

نیز: متنی نسخوں کی تدوین اور اطلاعیات، ''الماس''، شمارہ نمبر ۱۰، ۲۰۰۸ء

نیز: جدید تدوین اور اطلاعیات، ''اخبارِ اُردو''، اسلام آباد، مئی ۲۰۰۸ء

☆ فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر: ''اردو میں اُصولِ تحقیق''، ج اط چہارم، اسلام آباد، ورڈ ویژن پبلشرز، ۲۰۰۱ء

۲۔ درانی، عطش، ڈاکٹر: ''اردو اصطلاحات سازی''، طبع دوم، اسلام آباد، انجمن شرقیہ علیہ، ۱۹۹۴ء۔

۳۔ درانی، عطش، ڈاکٹر: ''جدید رسمیاتِ تحقیق''، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۵ء۔

☆ رسائل:

۱۔ ''اخبارِ اردو''، اسلام آباد: شمارے: ستمبر ۲۰۰۲ء، اکتوبر ۲۰۰۲ء، مئی ۲۰۰۸ء۔

۲۔ ''الزبیر''، بہاول پور: شمارہ ۴، ۲۰۰۷ء۔

۳۔ ''الماس''، خیر پور: شمارہ ۴، ۲۰۰۷ء۔

۴۔ ''تحقیق''، جام شورو، شمارہ ۱۶، ۲۰۰۸ء۔

۵۔ ''دریافت''، اسلام آباد، شمارہ ۷، ۲۰۰۸ء۔